حامد میر

خبردار، ہوشیار!

نومبر ۲۰۰۱ء کی ایک خوفناک رات تھی۔ افغانستان پر امریکی حملے کو ایک مہینہ پورا ہونے کو تھا۔ دنیا بھر کے جنگی تجزیہ نگار اس سوال کا جواب تلاش کر رہے تھے کہ بے سروسامان طالبان بگرام سے لے کر مزار شریف تک ایک سپر پاور کا راستہ کیسے روکے ہوئے ہیں؟ یہی وہ سوال تھا جس کا جواب تلاش کرنے کے لیے میں بھی جنگ کے عروج میں کابل پہنچا۔ یہ وہ رات تھی جب مجھے یقین ہو گیا تھا کہ اسامہ بن لادن کے ساتھ انٹرویو کی خواہش کے باعث میں موت کے منہ میں آ چکا ہوں اور زندہ واپسی مشکل ہو گی۔ کابل کے علاقے وزیر اکبر خان میں واقع ایک عمارت القاعدہ کے جنگجوؤں کے ہوسٹل کے طور پر استعمال ہو رہی تھی۔ میں اسی ہوسٹل میں انٹرویو کے لیے وقت کا انتظار کر رہا تھا۔ ایک رات اس ہوسٹل کے اردگرد اتنی شدید بمباری ہوئی کہ کمروں کے اندر انسانی جسم کے جلنے کی بو آنے لگی۔ میری طبیعت کو بگڑتے دیکھ کر ایک نوجوان نے مجھے پانی کا گلاس دیا۔ وہ مراکش کا رہنے والا تھا۔ اس نے بتایا کہ آج ہی وہ اپنے چار ساتھیوں کے ہمراہ بگرام سے واپس آیا ہے کیونکہ اسے حکم ملا ہے کہ وہ اگلے چند دنوں تک یہاں سے چلا جائے۔

یہ سننے کے بعد میں تمام رات یہی سوچتا رہا کہ جو لوگ اپنے جنگجو دوسرے ملکوں میں داخل کر سکتے ہیں، وہ اس راستے سے خطرناک ہتھیار بھی لے جا سکتے ہیں۔ نومبر ۲۰۰۱ء میں تقریباً چالیس دن کی مزاحمت کے بعد جب طالبان اور القاعدہ نے کابل سمیت افغانستان کے تمام بڑے شہر خالی کئے تو اس سے کئی دن قبل ہی کئی سو تربیت یافتہ جنگجو افغانستان سے روانہ ہو چکے تھے۔ دہشت گردی کے ماہرین کی ایک بڑی اکثریت اس نکتے پر متفق ہے کہ القاعدہ بڑے حملے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ مصر تو بہت دور کی بات ہے۔ ۲۳ر جولائی ۲۰۰۵ء کو جنوبی وزیرستان میں پاکستانی فوج کے اتحادی دو اہم قبائلی سرداروں سمیت نو افراد کو گولیاں مار کر موت کی نیند سلا دیا گیا۔

چند ماہ پیشتر جنوبی وزیرستان میں فوجی آپریشن کے سب سے اہم حامی قبائلی سردار اور سابق وفاقی وزیر ملک فرید اللہ خان کو بھی قتل کر دیا گیا۔ ملک فرید اللہ خان سپر کئی وزیر قبیلے کے سربراہ تھے اور شکئی میں پاکستانی فوج کا داخلہ انہی کے تعاون سے ہوا تھا۔ جنوبی وزیرستان میں فوج کے اتحادی قبائلی سرداروں کا اوپر تلے قتل ہونا ثابت کرتا ہے کہ پاکستان بدستور دہشت گردی کا شکار ہے۔ پچھلے ایک سال کے دوران جنوبی وزیرستان میں امریکہ کی مدد کرنے اور امریکہ کے لیے جاسوسی کرنے کے الزام میں ۵۳ خاص و عام افراد قتل کئے جا چکے ہیں اور تقریباً تین سو پاکستانی فوجی اپنی جان کی بازی ہار چکے ہیں۔ اتنا نقصان اٹھانے کے باوجود بھی پاکستانی فوج نے جنوب کے بعد شمالی وزیرستان میں بھی آپریشن شروع کر رکھا ہے لیکن امریکی و برطانوی ذرائع ابلاغ میں پاکستان پر تنقید کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ وہ جو آج تک میکسیکو کے راستے سے امریکہ میں منشیات، اسلحے اور انسانوں کی سمگلنگ نہیں

روک سکے‘ وہ پاکستان، افغانستان اور کشمیر میں کراس بارڈر ٹیررازم کی باتیں کرتے ہیں۔ وہ جنہوں نے عراق میں سوالاکھ سے زائد فوج کی مدد سے صدام حسین کو ڈھونڈا‘ وہ افغانستان میں صرف ۱۸ ہزار امریکی فوجیوں کی مدد سے اسامہ بن لادن کو تلاش کررہے ہیں اور اپنی ناکامیوں کا ذمہ دار پاکستان کو قرار دیتے ہیں۔ وہ جن کے فوجیوں کے ہاتھوں گوانتاناموبے میں قرآن کریم کی توہین ہوتی ہے اور اس توہین کے باعث پورے عالم اسلام میں نفرت و بےچینی کی لہر پھیل جاتی ہے۔ وہ امریکہ کے خلاف نفرت کی وجہ پاکستان کے دینی مدارس کو سمجھتے ہیں۔ حالانکہ نائن الیون اور سیون سیون کے حملوں میں ملوث کوئی ایک بھی حملہ آور کسی دینی مدرسے کا طالب علم نہیں تھا بلکہ سب نے مغربی تعلیمی اداروں میں وقت گزارا۔ دینی مدارس کے نصاب کو دور جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا بہت اچھی بات ہے اور ان کی رجسٹریشن بھی ٹھیک ہے لیکن جس انداز میں حکومت نے دینی مدارس کے خلاف کریک ڈاؤن شروع کیا ہے‘ اس سے حالات مزید خراب ہونے کا اندیشہ ہے۔ اس کریک ڈاؤن کے بعد پاکستان میں ایسی فضا پیدا ہوگئی ہے جو صرف اور صرف انتہا پسندوں کے لیے فائدہ مند ہوگی۔ اسلام آباد میں طالبات کے ایک مدرسے پر چھاپے کے دوران طالبات پر پولیس کا تشدد اور ایک معلّمہ کا حمل ضائع ہونے جیسے واقعات سے کسی کو کوئی نیک نامی نہیں مل سکتی۔ جلتی پر تیل کا کام بھارتی وزیراعظم من موہن سنگھ کے بیانات ہیں جن کا فرمانا ہے کہ اگر پاکستان کے ایٹمی ہتھیار اسلامی بنیاد پرستوں کے قبضے میں چلے گئے تو دنیا مزید غیر محفوظ ہوجائے گی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ من موہن سنگھ پاکستانی فوج کو دینی قوتوں سے لڑانا چاہتے ہیں تاکہ صوبہ سرحد میں بھی وہی حالات پیدا ہوجائیں جو پہلے انہوں نے بلوچستان میں پیدا کئے۔ ہماری حکومت کے پاس بلوچستان سمیت ملک کے دیگر صوبوں میں بھارتی سازشوں کے کئی ثبوت موجود ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ من موہن سنگھ ثبوت کے بغیر بھی پاکستان کو گالی دینے میں جھجک محسوس نہیں کرتے جبکہ پاکستان ثبوتوں کے باوجود خاموشی میں ہی مصلحت سمجھتا ہے۔ ہماری گزارش صرف اتنی ہے کہ روشن خیالی بھی پھیلایئے اور مدارس کی اصلاح بھی کیجیے لیکن اس انداز میں کیجیے کہ من موہن سنگھ کو صورتحال سے فائدہ اٹھانے کا موقع نہ ملے۔ ہمیں سب سے پہلے صرف اور صرف اپنے مفادات کا خیال رکھنا چاہیے۔ (مطبوعہ: روزنامہ ’’جنگ‘‘ لاہور۔ ۲۵؍ جولائی ۲۰۰۵ء)

سالانہ ختم نبوت کورس
دفتر احرار 69/c حسین سٹریٹ وحدت روڈ نیو مسلم ٹاؤن لاہور
یکم شعبان 6 ستمبر منگل تا
7 شعبان 13 ستمبر منگل
زیر سرپرستی
حضرت پیر جی
سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ
(امیر مجلس احرار اسلام پاکستان)
علماء و دانشور اور ماہرین لیکچرز دیں گے
(تفصیلات ان شاء اللہ آئندہ شمارے میں)
منجانب مجلس احرار اسلام لاہور فون: 042-5865465